POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 24-25 September 2025, R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511
Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 23-09-2025 • Price: 5/- • 1-7 October 2025 • Issue: 37 • Vol:84
یکم تا ۷/اکتوبر ۲۰۲۵ء • شمارہ: ۳۷ • جلد: ۸۴

بیاضِ فیض

فیض احمد فیض کے قیامِ کراچی کی ایک نادر و نایاب غیرمطبوعہ بیاض

معین الدین عقیل

فیض احمد فیض (1911-1984) کی مقبولیت اور ان کے عہدِ جدید کے شعری مقام و امتیاز اور ترقی پسند تحریک اور سیاسی حوالے سے اشتراکی نظریے سے ان کی وابستگی کے سبب ان کو جو شہرت حاصل رہی اس نے انھیں عوام کے مختلف طبقات میں بالخصوص ان کی اردو شاعری کی دل نشینی کے سبب ایسا مقام و مرتبہ عطا کیا ہے جس نے انھیں ان کے معاصرین میں بھی نمایاں قدر و منزلت عطا کی۔ ان کی مقبولیت ہی کا سبب تھا کہ ان کے سارے شعری مجموعے ان کی زندگی ہی میں اور ان کے انتقال کے بعد بھی متعدد بار چھپتے رہے اور اب بھی گاہے چھپتے ہی رہتے ہیں اور یہ ان کی حیثیت و مقبولیت ہی تھی کہ وہ ملک و بیرونِ ملک جہاں جاتے بسر و چشم قبول کیے جاتے۔ چناں چہ کراچی بھی وہ گاہے تشریف لاتے لیکن سنہ ساٹھ کی دہائی میں وہ ایسے آئے کہ انھوں نے چند سال یہاں قیام پسند کیا اور یہاں رہے بھی تو اپنی شعری تخلیق کی مصروفیات حسبِ مزاج جاری رکھیں اور یہاں قدیم شہر کے ایک مقامی تعلیمی ادارے 'عبداللہ ہارون کالج' میں بحیثیت پرنسپل اس کالج کی ذمے داریاں بھی سنبھالیں۔ ان ذمے داریوں کے ساتھ ساتھ شہر کی تہذیبی و ادبی سرگرمیوں میں بھی گاہے حصہ لیتے اور ان میں اپنا کردار ادا کرتے رہے۔ انھوں نے اپنے زمانۂ قیام میں یہاں 1968 میں قائم ہونے والے 'ادارۂ یادگارِ غالب' سے بھی، اس کے بانی و ذمے دار مرزا ظفر الحسن (1916-1984) کی ایما پر، وابستگی اختیار کی اور جب اس ادارے نے اگلے سال (1969) میں غالب کی صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں 'غالب لائبریری' قائم کی تو انھوں نے مرزا ظفر الحسن کی خواہش اور فرمائش پر اس ادارے کی صدارت بھی قبول کی اور اپنی شخصیت اور اس کے اثرات کے تحت اس کے قیام و انتظام کے ضروری تقاضے بھی کامیابی سے پورے کیے۔

مرزا ظفر الحسن، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے شعبۂ اردو سے فارغ التحصیل، ایک صاحبِ ذوق اور آزاد خیال دانش ور اور فیض احمد فیض کے بڑے مداح تھے، جب تک فیض کراچی میں مقیم رہے پابندی کے ساتھ وہ ان سے ملاقاتیں کرتے اور ان کو یہاں کی ادبی تقریبات میں شرکت کے لیے آمادہ بھی کرتے رہے اور یوں اپنی جانب سے ان تقریبات کی شہرت و کامیابی کے لیے کوششیں کرتے۔ راقم الحروف کو بھی 'غالب لائبریری' سے اس کے قیام سے ہی دل چسپی رہی اور مرزا ظفر الحسن صاحب ہی کے اصرار پر اس کی مجلسِ عاملہ میں شرکت اختیار کی اور اس کے نائب معتمد کے منصب پر، جس پر مجھ سے پہلے سحر انصاری صاحب فائز تھے، مرزا صاحب نے انھیں بوجوہ علاحدہ کر کے مجھے فائز کر دیا تھا۔ اس وقت میں محض طالبِ علم تھا لیکن مرزا صاحب مجھ پر ہمیشہ بہت کرم فرما رہے ہیں اور میری حوصلہ افزائی اور سرپرستی ہمیشہ ان کا شعار رہا۔ اس دوران گاہے ایسا بھی ہوتا کہ جب مرزا صاحب فیض صاحب سے ملنے جاتے تو مجھے بھی ساتھ لے جاتے جو میرے لیے صد خوشی کا باعث ہوتا۔ فیض صاحب کا قیام اس وقت بیگم مجید ملک (متوفی 2004) کے گھر واقع ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی میں تھا۔ اس صورت میں مَیں نے جب جب فیض صاحب کو دیکھا یا مجھے ان سے ملاقاتوں کے مواقع حاصل ہوئے وہ مرزا صاحب ہی کے طفیل حاصل ہوئے۔ مرزا صاحب نے از راہِ شفقت میرا تعارف فیض صاحب سے پہلی ہی ملاقات میں ایسا کرایا تھا کہ فیض صاحب ہر بار خود مجھ پر شفقت فرماتے رہے اور گاہے مجھ سے بے تکلف بھی رہے۔ اسی بے تکلفی میں ایک بار انھوں نے مجھ پر ایک بڑا کرم یہ فرمایا کہ اپنی ایک بیاض مجھے عنایت کر دی جو میں بڑے اشتیاق سے دیکھا کرتا تھا کہ فیض صاحب اس میں کچھ لکھا کرتے تھے۔ ایک بار وہ کچھ لکھنا چاہتے تھے لیکن اس بیاض میں کوئی صفحہ سادہ باقی نہ بچا تھا جس پر وہ جز بز ہوئے اور ایک ملازم سے انھوں نے بازار سے ایک سادہ کاپی لانے کے لیے کہا اور کچھ پیسے دیے، لیکن اسی بیاض کو مزید کچھ پر دیکھنے کے بعد انھوں نے وہ میری طرف بڑھا دی کہ اسے میں رکھ لوں۔ یہ میرے لیے اس وقت ایک بڑا اعزاز تھا کہ فیض صاحب نے مجھے اپنی بیاض دے دی کہ میں جو گاہے کن اَنکھیوں سے انھیں اس میں کچھ لکھتے ہوئے دیکھا کرتا تھا اور فیض صاحب اس میں مجھے بھی دل چسپی لیتا ہوا دیکھتے رہتے تھے۔ یہ بیاض پھر انھوں نے، جب تک کراچی میں ان سے سامنا ہوتا اور ملاقاتیں ہوتی رہیں، مجھ سے واپس طلب نہ کی۔ چناں چہ پھر ہمیشہ سے وہ بیاض میرے ہی پاس رہی اور میں اسے بار ہا دیکھتا اور اسے پڑھتا بھی رہا۔ ان پچاس پچپن سالوں سے یہ بیاض میرے ہی پاس رہی اور اسے میں نے اپنے اس گوشے میں محفوظ رکھا جو میرے ذخیرۂ کتب کے درمیان یا میرے کتب خانے میں مخطوطات کا گوشہ تھا۔ اب اس بیاض کو میں نے اپنے ان مخطوطات کے ساتھ جو میں نے حال ہی میں 'اکادمی ادبیاتِ پاکستان' اسلام آباد کو ہدیہ کر دیے ہیں، اسے بھی ہدیہ کر دیا ہے۔ اسے حسبِ خواہش یا حسبِ ضرورت وہاں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں کہ فیض کے شعری مجموعے: 'نقشِ فریادی' (1942)، 'دستِ صبا' (1952)، 'زنداں نامہ' (1956)، 'دستِ تہِ سنگ' (1965)، 'شامِ شہرِ یاراں' (1978)، 'سرِ وادیِ سینا' اور کلیات 'نسخہ ہائے وفا' جیسی تخلیقات کے ساتھ ساتھ زیرِ تذکرہ بیاض جو ان مذکورہ مجموعوں ہی سے ماخوذ یا ان ہی کے لیے ترتیب دی گئی، اور جو دراصل فیض کے قیامِ کراچی کی ایک تخلیقی سرگرمی یا ان کی چھٹی دہائی کی تخلیقی کاوش ہے، اسے فیض کی شاعری کو مزید اپنے معروف رنگوں کے ساتھ قارئین کے لیے کیف و انبساط کا ایک وسیلہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

ذیل میں اس بیاض کو استفادۂ عام یا ان شائقین و خواہش مندوں کے لیے جو فیض کو بے پناہ چاہتے یا پسند کرتے ہیں، بہ صورتِ حوالہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ اسے ملاحظہ کریں یا حسبِ ضرورت اس سے استفادہ بھی کریں۔ فی الوقت اس بیاض میں درج عنوانات کو، بعینہٖ بیاض میں درج ترتیب کے مطابق، ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

1- یہ موسمِ گل گرچہ طرب خیز بہت ہے
2- ہمیں سے اپنی نوا ہم کلام کرتی رہی
3- حسرتِ دید میں گزراں ہیں زمانے کب سے
4- تجھے پکارا ہے بے ارادہ
5- بہار آئی تو جیسے یک بار
6- ہم کیا کرتے کس راہ چلتے
7- جگر دریدہ ہوں چاک جگر کی بات سنو
8- ہم تو مجبور تھے اس دل سے

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

9- جس روز قضا آئے گی
10- مرا دردِ نغمہ ہے اور
11- جب دل ٹکڑے ہو جائے گا
12- موری ارج سنو
13- یہ کس خلش نے پھر اس دل میں آشیانہ کیا
14- بنّے
15- کچھ مشق کیا، کچھ کام کیا
16- چلو پھر سے دل بہلائیں
17- اشک آباد کی شام
18- اے شامِ شہر یاراں
19- ہم کہ ٹھہرے اجنبی

... اس نقل کے دوران فیض صاحب سے ایک چوک ہو گئی ہے کہ نظموں کے سلسلہ نمبر کو فہرست میں درج کرتے ہوئے ان سے سلسلہ نمبر 3 چھوٹ گیا اور کسی وجہ سے شامل نہ ہوا! سلسلہ نمبر 2 کے بعد سلسلہ نمبر 4 درج ہو گیا ہے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ اس سہو کا سبب کیا ہے؟

سلسلہ نمبر 14 کا عنوان انھوں نے 'بنّے' درج کیا ہے جو عرفیت تھی سجا ظہیر کی۔ سجاد ظہیر معروف مصنف اور پاک و ہند میں ترقی پسند تحریک کے نامور رہنما اور قلم کار، جو فیض صاحب کے قریبی دوست بھی تھے، اس قدر قریبی کہ فیض کے شعری مجموعے 'زنداں نامہ' کا پیش لفظ بھی سجاد ظہیر نے 13 جنوری 1956 کو لکھنؤ میں لکھا تھا۔ ان کے علاوہ فیض صاحب نے سجاد ظہیر کی شان میں ایک نظم 'سجاد ظہیر کے نام' بھی ستمبر 1973 میں تخلیق کی تھی جو ان کے شعری مجموعے 'شامِ شہر یاراں' میں شامل ہے۔ ('شامِ شہر یاراں' مشمولہ: 'نسخہ ہائے وفا'، ص 518-517، مکتبۂ کارواں، لاہور، سن ندارد)۔

بیاض میں منظومات کی جو فہرست درج ہے یہ مکمل نہیں، لگتا ہے فیض نے یہ ایک منتخب فہرست درج کی ہے۔ جب کہ نظمیں اور دیگر اصناف اس فہرست کے علاوہ بھی اس میں موجود ہیں۔ اکثر صفحات پر درج اشعار اور منظومات پر عنوانات درج نہیں۔ اس قسم کے متنوع اندراجات اور منظومات و تخلیقات کے سبب ایک تفصیلی و تجزیاتی مطالعے کی ضرورت بہر حال محسوس کی جا سکتی ہے جو فیض کی شاعری اور فن و اسلوب کا احاطہ بھی کرے اور فیض کی شاعری کے دیگر مجموعوں کے مقابل اس بیاض کی قرار واقعی قدر و قیمت کو بھی متعین کرے۔

بیاضِ فیض

احوالِ گُل و لالہ غم انگیز بہت ہے
خوش دعوتِ یاراں بھی ہے یلغارِ عدو بھی
کیا کیجیے دل کا جو کم آمیز بہت ہے
یوں پیرِ مغاں شیخِ حرم سے ہوئے یک جاں
میخانے میں کم ظرفیِ پرہیز بہت ہے
اک گردنِ مخلوق جو ہر حال میں خم ہے
اک بازوئے قاتل ہے کہ خوں ریز بہت ہے
کیوں مشعلِ دل فیضؔ چھپاؤ تہِ داماں!
بُجھ جائے گی یُوں بھی کہ ہوا تیز بہت ہے

از: شام شہر یاراں ص 16، 'نسخہ ہائے وفا' ص 539

(2)

ہمیں سے اپنی نوا ہم کلام ہوتی رہی
یہ تیغ اپنے لہو میں نیام ہوتی رہی
مقابلِ صفِ اعداء جسے کیا آغاز
وہ جنگ اپنے ہی دل میں تمام ہوتی رہی
کوئی مسیحا نہ ایفائے عہد کو پہنچا
بہت تلاش پسِ قتلِ عام ہوتی رہی
یہ برہمن کا کرم، وہ عطائے شیخِ حرم
کبھی حیات کبھی مے حرام ہوتی رہی
جو کچھ بھی بن نہ پڑا، فیضؔ لُٹ کے یاروں سے
تو رہزنوں سے دعا و سلام ہوتی رہی

'شام شہرِ یاراں' ص 69؛ 'نسخہ ہائے وفا' ص 547

(3)

حسرتِ دید میں گزراں ہیں زمانے کب سے
دشتِ اُمید میں گرداں ہیں دوانے کب سے
دیر سے آنکھ پہ اُترا نہیں اشکوں کا عذاب
اپنے ذمّے ہے ترا قرض نہ جانے کب سے
کس طرح پاک ہو بے آرزو لمحوں کا حساب
درد آیا نہیں دربار سجانے کب سے
سر کرو ساز کہ چھیڑیں کوئی دل سوز غزل
'ڈھونڈتا ہے دلِ شوریدہ بہانے کب سے'
پُر کرو جام کہ شاید ہو اسی لحظہ رواں
روک رکھا ہے جو اک تیر قضا نے کب سے
فیضؔ پھر کب کسی مقتل میں کریں گے آباد
لب پہ ویراں ہیں شہیدوں کے فسانے کب سے

'شامِ شہر یاراں' ص 71؛ 'نسخہ ہائے وفا' ص 594

(4)

بہار آئی تو جیسے ایک بار
لوٹ آئے ہیں پھر عدم سے
وہ خواب سارے شباب سارے
جو تیرے ہونٹوں پہ مر مٹے تھے
جو مٹ کے ہر بار پھر جئے تھے
نکھر گئے ہیں گلاب سارے
جو تیری یادوں سے مشکبو تھے
جو تیرے عشاق کا لہو تھے
ابل پڑے ہیں عذاب سارے
ملال احوال دوستاں بھی
خمار آغوش مہ وشاں بھی
خمار خاطر کے باب سارے
ترے ہمارے
سوال سارے جواب سارے
بہار آئی تو کھل گئے ہیں
نئے سرے سے حساب سارے

'شام شہرِ یاراں' ص 62؛ 'نسخہ ہائے وفا'، ص 540

(5)

ہم کیا کرتے کس راہ چلتے   ہر راہ میں کانٹے بکھرے تھے
ان رشتوں کے چھوٹ گئے   ان صدیوں کے یارانوں کے
جو اک اک کر کے ٹوٹ گئے   جس راہ چلے جس سمت گئے
یوں پاؤں لہولہاں ہوئے   سب دیکھنے والے کہتے تھے
یہ کیسی ریت رچائی ہے   یہ مہندی کیوں لگائی ہے
وہ کہتے تھے! کیوں قحط وفا کا   ناحق چرچا کرتے ہو؟ ؟
پاؤں کو لہو سے دھو ڈالو   یہ راہیں جب اٹ جائیں گی
سو راستے ان سے پھوٹیں گے   تم دل کو سنبھالو جس میں ابھی
سو طرح کے نشتر ٹوٹیں گے

'شام شہرِ یاراں' ص 44-45

(6)

جگر دریدہ ہوں   چاک جگر کی بات سنو
امیدِ سحر کی بات سنو   عَلم رسیدہ ہوں
دوانِ دیر کی بات سنو   امیدِ سحر کی بات سنو
زباں بریدہ ہوں   زخمِ گلو سے حرف کرو
امیدِ سحر کی بات سنو   شکستہ پا ہوں
ملالِ سفر کی بات سنو   امیدِ سحر کی بات سنو
مسافری رہی صحرائے ظلمتِ شب سے   اب التفاتِ نگارِ سحر کی بات سنو
سحر کی بات   امیدِ سحر کی بات
جگر دریدہ ہوں   چاکِ جگر کی بات سنو
امیدِ سحر کی بات سنو   عَلم رسیدہ ہوں
دوانِ دیر کی بات سنو   امیدِ سحر کی بات سنو
زباں بریدہ ہوں   زخمِ گلو سے حرف کرو
امیدِ سحر کی بات سنو   شکستہ پا ہوں
ملالِ سفر کی بات سنو   امیدِ سحر کی بات سنو

'شام شہرِ یاراں' ص 104؛ 'نسخہ ہائے وفا' ص 582

(7)

ہم تو مجبور تھے اس دل سے کہ جس میں ہر دم
گردشِ خوں سے وہ کُہرام بپا رہتا ہے
جیسے رندانِ بلا نوش جو مل بیٹھیں بہم
میکدے میں سفرِ جام بپا رہتا ہے
سوزِ خاطر کو ملا جب بھی سہارا کوئی
داغِ حرمان کوئی، دردِ تمنّا کوئی
مرہمِ یاس سے مائل بہ شِفا ہونے لگا
زخمِ اُمّید کوئی پھر سے ہرا ہونے لگا
ہم تو مجبور تھے اس دل سے کی جس کی ضد پر
ہم نے اُس رات کے ماتھے پہ سحر کی تحریر
جس کے دامن میں اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہ تھا
ہم نے اُس دشت کو ٹھہرا لیا فردوس نظیر
جس میں جُز صنعتِ خونِ سرِ پا کچھ بھی نہ تھا
دل کو تعبیر کوئی اور گوارا ہی نہ تھی
کلفتِ زیست تو منظور تھی ہر طور مگر
راحتِ مرگ کسی طور گوارا ہی نہ تھی

'شام شہرِ یاراں' ص 55-56

(8)

اور قزاق سناں دست کا دھندلا سایہ
از کراں تا بہ کراں دہر پہ منڈلانے لگے
جس طرح آئے گی جس روز قضا آئے گی
خواہ قاتل کی طرح آئے کہ محبوب صفت
دل سے بس ہو گی یہی حرفِ ودع کی صورت
للہ الحمد بانجام دلِ دل زدگاں
کلمۂ شکر بنامِ لبِ شیریں

'شام شہرِ یاراں' ص 36-38؛ 'نسخہ ہائے وفا' ص 514

(9)

میرے درد کو جو زباں ملے
میرا درد نغمۂ بے صدا
میری ذات ذرۂ بے نشاں
میرے درد کو جو زباں ملے
مجھے اپنا نام و نشاں ملے
میری ذات کا جو نشاں ملے
مجھے رازِ نظمِ جہاں ملے
جو مجھے یہ رازِ نہاں ملے
مری خامشی کو زباں ملے
مجھے کائنات کی سروری
مجھے دولتِ دو جہاں ملے

'شام شہرِ یاراں' ص 43

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

منوّر رانا جنھوں نے موجودہ شعری منظر نامے کو منور کیا

سراج زیبائی

منور رانا (1952-2024) اردو کی نابغۂ روزگار شخصیتوں میں بلند ادبی مرتبے کے حامل رہے ہیں۔ اردو ادب کی کہکشاں میں قمرِ درخشاں کی حیثیت رکھنے والے منور رانا کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ایک صاحبِ طرز شاعر ہونے کے ساتھ ہی نہایت مہذب، سلیقہ شعار، خوش طبع و بااخلاق واقع ہوئے ہیں۔ اصلی نام سید منور علی اور پیدائش 1952 میں رائے بریلی میں ہوئی۔ انھوں نے شاعری کے علاوہ کئی مختصر کہانیاں بھی لکھیں اور ڈرامے بھی لکھے۔ پہلا ڈرامہ ’جے بنگلہ دیش‘ ہے۔ جوگندر کی فلم ’گیتا اور قرآن‘ کے لیے بھی انھوں نے کہانی لکھی مگر فلم نہ بن سکی۔ شاعری کے علاوہ نثر نگاری میں بھی آپ یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ ان کے انشائیوں کے مجموعے ’بغیر نقشے کا مکان‘ اور ’سفید کبوتر‘ اور ان کے خاکوں کا مجموعہ ’چہرے یاد رہتے ہیں‘ نہایت قابلِ قدر ہیں جو کافی مقبول ہوئے۔

ان کی وضعداری، روشن خیالی، صلح کاری نیز ان کی حلیمی، انکساری اپنے عزیزوں یا آنے والی نسلوں کے تئیں ان کی بے پناہ شفقت کا قابلِ تقلید نمونہ پیش کرتی ہے۔ منور رانا کی شخصیت باہر سے جتنی سادہ ہے اندر سے اتنی ہی عظیم ہے۔ آپ کے سینے میں ایک حساس اور دردمند دل دھڑکتا ہے جو دوسروں کے دکھ درد کو دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے۔ رانا صاحب ایک مجلسی آدمی ہیں۔ ادبی مجلسیں سجا کر انھیں روحانی خوشی ملتی ہے۔ اپنی شاعری میں اکثر موصوف اخلاقی کردار کی پامالی کا حل اور تدارک پیش کرتے ہیں۔ آپ کو کبھی سستی شہرت اور نام و نمود کی آس نہیں رہی۔ یہ کہا جائے تو درست ہوگا کہ آپ ایک شریف النفس بااخلاق اور مرنجان مرنج شخصیت کے مالک ہیں۔

منور رانا کی شاعری کے بھرپور تجزیے سے ہمیں یہ صاف پتا چلتا ہے کہ انھوں نے جو تفہیم کے چراغ جلائے ہیں ان کی روشنی دور تک دائرے بناتی چلی جائے گی۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو جس میں عشق اور اس کے منسلکات کی بازگشت سنائی دیتی ہے:

میں راہِ عشق کے ہر پیچ و خم سے واقف ہوں
یہ راستہ مرے گھر سے نکل کے جاتا ہے

آپ کی شاعری کی معنی خیزی تشریح کے نئے امکانات لیے نظر آتی ہے۔ آپ کے کلام کا اگر ہم بہ غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں لگتا ہے آپ کی شاعری اکثر بڑی بے نیازی کے ساتھ زندگی کے کوائف اور دنیا کے حادثات کا احاطہ کرتی ہے۔ آپ نے چوں کہ زندگی کو مختلف زاویوں سے دیکھا ہے لہٰذا ان کی شاعری میں ہمیں کہیں بھی افراط و تفریط نظر نہیں آتی۔ انھوں نے اپنی آس پاس کی زندگی کی رنگینیوں، تلخیوں اور رعنائیوں کے ساتھ ساتھ فکر اور غم کے گوشوں کو بھی اپنی شاعری میں نمایاں کیا ہے۔

منور رانا کے کمالات شعری سے ہمیں پہلے ہی واقفیت تھی اور اس لحاظ سے موصوف کی شاعری کی مختلف جہتوں کا احاطہ ہمارے لیے مشکل نہیں۔ ان کے ہر شعر میں معنی و مفہوم کا ایک کشادہ دریا بہتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی شاعری کی کتابیں ہمیں پڑھنے کے لیے میسر ہوئیں اور جیسے جیسے ہم انھیں پڑھتے رہے، ہمارے اندر تجسس بڑھتا ہی گیا۔ نئی فضا میں نئے مفہوم آشکار ہوتے گئے۔ تمام رشتوں میں ماں کے رشتے کو نہایت مقدس اور پاکیزہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ منور رانا نے ماں کے تصور کو نہایت خوب صورتی سے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

کسی کو گھر ملا حصے میں یا کوئی دوکاں آئی
میں گھر میں سب سے چھوٹا تھا مرے حصے میں ماں آئی

یہ ایسا قرض ہے جو میں ادا کر ہی نہیں سکتا
میں جب تک گھر نہ لوٹوں میری ماں سجدے میں رہتی ہے

جب بھی کشتی مری سیلاب میں آجاتی ہے
ماں دعا کرتی ہوئی خواب میں آجاتی ہے

منور رانا کے شعروں میں تسلسل اور فکر کی گہرائی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان کے پیرایۂ اظہار نے انھیں بے انتہا مقبول بنایا۔ ان کے قلم کو ایسی عظمت میسر ہوئی کہ ان کا قد خود بخود بلند ہوگیا۔ کہیں کہیں انھوں نے آج کی زندگی کی رزم گاہ میں اپنی شاعری کو شمشیر کے طور پر استعمال کیا معاشی زبوں حالی کے خلاف آواز بلند کی۔ بات جو حق کی ہے اس کو انھوں نے اس طرح برملا کہہ دیا:

سو جاتے ہیں فٹ پاتھ پہ اخبار بچھا کر
مزدور کبھی نیند کی گولی نہیں کھاتے

اگر سونے کے پنجرے میں بھی رہتا ہے تو قیدی ہے
پرندہ تو وہی ہوتا ہے جو آزاد ہوتا ہے

منور رانا نے اپنے شعروں میں محبوب کے سراپا کا بیان پوری آب و تاب کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے علاوہ فراق و وصال کی کیفیات کو بھی نہایت خوب صورتی سے اپنی شاعری میں قلم بند کیا ہے۔ کہتے ہیں:

اب جدائی کے سفر کو مرے آسان کرو
تم مجھے خواب میں آکر نہ پریشان کرو

اس طرح ان کی چونکا دینے والی خیال انگیز شاعری عوام و خواص میں کافی مقبول ہوئی ہے۔ ان کی شاعری میں جو انفرادیت دیکھنے کو ملتی ہے وہی انفرادیت ان کی شستہ نثر میں نظر آتی ہے۔

منور رانا پورے جذبے اور بصیرت کے ساتھ ہمیشہ فروغِ اردو کی اسکیم میں لگے رہتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا یہ خوب صورت شعر ملاحظہ ہو:

مرے بچوں میں ساری عادتیں موجود ہیں میری
تو پھر ان بدنصیبوں کو نہ کیوں اردو زباں آئی

چوں کہ منور رانا بیدار مغز ہیں لہٰذا انھوں نے اپنی شاعری میں خوابیدہ ذہنوں کو جگایا ہے۔ موصوف کو حسنِ مضمون کے ساتھ نئی لفظیات کو اپنی شاعری میں برتنے پر بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ ان کے ہاں شاعری ایک پارۂ سیماب ہے جو انھیں ہر وقت بے چین رکھتا ہے اور ہر کسی کو ان کا یہ تخلیقی احساس اسی کیفیت میں مبتلا رکھتا ہے۔ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ ان میں ہمیشہ بے خوفی کا عالم طاری رہتا ہے۔ کسی بھی طرح خوف و دہشت نظر نہیں آتا۔

ماں پر لکھے ہوئے مزید ان کے اشعار ملاحظہ فرمائیں جو ان کے شعری اظہار کا جزوِ لاینفک بن گئے ہیں:

چلتی پھرتی ہوئی آنکھوں سے اذاں دیکھی ہے
میں نے جنت تو نہیں دیکھی ہے ماں دیکھی ہے
میں نے کل شب چاہتوں کی سب کتابیں پھاڑ دیں
صرف اک کاغذ پہ لکھا لفظ ’ماں‘ رہنے دیا
ابھی زندہ ہے ماں میری مجھے کچھ بھی نہیں ہوگا
میں گھر سے جب نکلتا ہوں دعا بھی ساتھ چلتی ہے

منور رانا کی یہ بنیادی خوبی ہے کہ وہ ہمیشہ شاعری میں ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔ چوں کہ منور صاحب نے زندگی کے نشیب و فراز دیکھے ہیں یہی سبب ہے کہ وہ کبھی ٹوٹے بکھرے نہیں بلکہ زندگی کی ہر اذیت اور کرب کا دلیری سے مقابلہ کیا ہے۔ انھوں نے کبھی فرار اور گریز کی زندگی نہیں گزاری:

بادشاہوں کو سکھایا ہے قلندر ہونا
آپ آسان سمجھتے ہیں منور ہونا

صرف بچوں کی محبت نے قدم روک لیے
ورنہ آسان تھا میرے لیے بے گھر ہونا

اور پھر یہ خوب صورت شعر:

گھر میں رہتے ہوئے غیروں کی طرح ہوتی ہیں
لڑکیاں دھان کے پودوں کی طرح ہوتی ہیں

منور رانا کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ اپنی لطیف الطبعی و بذلہ سنجی کے باوصف بے حد ممتاز رہے ہیں۔ جس کی شاعری دعوتِ فکر کے ساتھ پیغاماتِ عمل بھی دے تو وہ شاعر کامراں کہلاتا ہے۔ زمانے کی بربریت نے منور رانا جیسے ایک حساس شاعر کو ہمیشہ جھنجھوڑا ہے۔ جو آنسو بہے ہیں وہی ان کی غزلوں کی روشنائی بنے ہیں۔ اس نوعیت کے اشعار پڑھنے سے دل مصفّیٰ اور ذہن پاکیزہ ہوجاتے ہیں۔ یہ شعر دیکھیں:

فرشتے آ کے ان کے جسم پر خوشبو لگاتے ہیں
وہ بچے ریل کے ڈبوں میں جو جھاڑو لگاتے ہیں

عام رنگ سے ہٹی ہوئی منور رانا کی فکر انگیز شاعری دلوں کو چھوتی ہوئی روح میں اتر جاتی ہے۔ ان کی پذیرائی زمان و مکان کی حدوں سے آگے بڑھ کر زباں کی حد بندیوں کو پار کر دیتی ہے۔ شاعری ہو کہ نثر منور رانا کی نگارشات فکری شعور اور حکمت و دانائی کا خزینہ ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو منور رانا کی شاعری نے ہمارے موجودہ منظر نامے کو اس قدر منور کیا کہ بالخصوص ہماری نئی نسل کے نوجوانوں کے فنی و فکری رویے میں شاندار تبدیلی آئی اس لحاظ سے ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ منور رانا بے شمار افراد کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

سراج زیبائی
(شیموگہ، کرناٹک)
E-mail: sirajzebayi10@gmail.com
Mobile: 8296694020

اردو دُنیا

مرکزی وزارتِ اطلاعات ونشریات کی طرف سے نوٹس

تنگ نظری اور اردو کے تئیں متعصب ذہنیت کی عکاس

نئی دہلی (21 ستمبر)۔ مرکزی وزارتِ اطلاعات ونشریات نے خبروں میں اُردو الفاظ کے استعمال سے متعلق شکایت کے جواب میں ہندی کے بڑے نیوز چینلوں کو نوٹس جاری کیا ہے۔ وزارت کی طرف سے نوٹس جاری ہونے کے بعد اردو حلقوں میں شدید ناراضگی کا ماحول ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اردو ہندستان کی زبان ہے، یہ محبت کی زبان ہے، یہ صرف ایک زبان نہیں بلکہ ایک پوری تہذیب ہے، اس کا جنم ہندستان میں ہوا ہے، لہٰذا اس زبان کے ساتھ تنگ نظری مناسب بات نہیں ہے۔ جس طرح سے ایک شخص کی شکایت پر مرکزی وزارت کے افسر نے متعلقہ نیوز چینلوں کو نوٹس بھیج دیا وہ سراسر اردو کے تئیں متعصب ذہنیت کا اظہار ہے۔

اس بارے میں سابق قومی کمشنر برائے لسانی اقلیات پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ زبانوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا بلکہ ہر مذہب کو زبان کی ضرورت ہوتی ہے۔ مہاراشٹر کے جس شخص نے وزارت سے شکایت کی تھی اُس نے ہندی کے ساتھ کوئی بھلائی کا معاملہ نہیں کیا ہے، ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ 'انقلاب' جیسا پرچہ جو صرف ممبئی سے نکلتا تھا، جب سے 'جاگرن' نے لیا ہے اسے ملک بھر میں کثیر الاشاعت بنا دیا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہندی اور اردو جب ایک ساتھ چلیں گی تو ان دونوں زبانوں کی توسیع ہوگی اور وہ زیادہ بڑے حلقے میں پڑھی جائیں گی۔ سرکار کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ وہ اس طرح کا کام کرکے کس طرح کی تنگ نظری کا ثبوت دے رہے ہیں، اس طرح کی سوچ اور حرکت بالکل غیر مناسب ہے۔ دہلی اقلیتی کمیشن کے سابق چیئرمین ڈاکٹر ظفرالاسلام خاں نے کہا کہ زبانیں وہ چلتی ہیں جو عام لوگوں کی سمجھ میں آتی ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا والے خاص کر ہندی والے بہت آسان زبان استعمال کرتے ہیں، ان کی زبان میں صرف اردو ہی نہیں بلکہ انگریزی کے بھی الفاظ ہوتے ہیں کیوں کہ عام آدمی وہی سمجھتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سنسکرت والی ہندی کو یہ زبردستی تھوپنا چاہتے ہیں جو عام آدمی نہیں سمجھتا، اس کی وجہ سے ہندی ناکام بھی ہے، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ہندی جگہ لیتی۔ بنگال، تمل ناڈو، کیرالا، گجرات کوئی اس کو ماننے کو تیار نہیں ہے کیوں کہ یہ چاہتے ہیں کہ ایک خاص قسم کی سنسکرت آمیز زبان لوگوں پر تھوپ دیں جو عام لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مہاراشٹر کے جس شخص نے شکایت کی ہے وہ بے وقوف انسان ہے اور اس شکایت پر جس افسر نے نیوز چینلوں کو نوٹس بھیجا ہے وہ اس سے بھی بڑا بے وقوف انسان ہے۔

اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے صدر حکیم سیّد احمد خاں نے کہا کہ اردو کے حوالے سے وزارت کی طرف سے جو نوٹس جاری کیا گیا ہے وہ ملک کے آئین اور سیکولر ڈھانچے کے خلاف ہے کیوں کہ اردو ہندی کے بعد ملک کی سب سے بڑی زبان ہے، یہ ملک بھر میں پڑھی اور بولی جاتی ہے، یہ رابطے کی زبان ہے، وزارت کو اس بارے میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے تھا۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو شیڈیول 8 میں شامل ہے، اس کا مطلب ہے کہ یہ سرکاری زبان ہے، اس کے خلاف جس طرح کا نوٹس نیوز چینلوں کو جاری کیا گیا ہے وہ بغیر سوچے سمجھے عجلت میں اٹھایا گیا قدم ہے۔ (انقلاب۔ دہلی)

ڈھاکہ بلاک دفتر میں

دوسری دفتری زبان اردو کا نفاذ عملی طور پر جاری

ڈھاکہ (15 ستمبر)۔ ڈھاکہ بلاک اور سب ڈویژن سطح کے تمام دفاتر میں دوسری دفتری زبان اردو کا نفاذ عملی طور پر جاری ہے۔ اِس کا جائزہ اور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ دعوا ڈھاکہ بلاک دفتر میں تعینات اردو مترجم جناب رضی احمد اور سکرھنا سب ڈویژنل دفتر میں مامور جناب کلیم اللہ اعظمی نے کیا۔ اردو ایکشن کمیٹی مشرقی چمپارن کے جنرل سکریٹری عظیم اقبال نے اردو کے عملی نفاذ کے سلسلے میں ڈھاکہ بلاک، سرکل اور سب ڈویژن دفاتر سمیت مختلف دفاتر کا دورہ کیا، جہاں ڈھاکہ بلاک دفتر میں مامور اردو مترجم جناب رضی احمد اور بالا درجہ محرر جناب اکبر امام نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ضلع اردو سیل کی جانب سے شائع ہونے والے جریدے ضلع اردو نامہ، مشرقی چمپارن بھی پیش کیا۔ اس موقعے پر جناب اقبال نے سبھی دفاتر میں ہندی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی تمام نوٹس اور علانیہ اردو زبان میں چسپاں پایا۔ تمام افسران کے نیم پلیٹ وتختیاں اردو رسم خط میں آویزاں پایا۔ جناب اقبال نے ہیڈ کلرکوں کے ناموں کی فہرست کو بھی اردو میں آویزاں کرنے کی گزارش متعلقہ محررِ اعلا سے کی جس پر انھوں نے رضامندی کا اظہار کیا۔ جناب عظیم اقبال نے ڈھاکہ بلاک اور سب ڈویژن حلقے کے تمام دفاتر اور اسکولوں میں سائن بورڈ، ناموں کی تختیاں اور اردو داں عوام و طلبہ کے توقعات کے مطابق ان کے کا زان کی زبان میں ہوسکے، اس کے لیے سب ڈویژن کے تمام دفاتر میں تعینات اردو عملوں کے لیے ایک مشترکہ لائحۂ عمل تیار کرنے کی بات کہی ہے۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

اُردو اسکولوں کی زبوں حالی، رکنِ اسمبلی کو یادداشت

کیرامیری، تلنگانہ (16 ستمبر)۔ جینور منڈل کے موضع جمگاؤں کے لوگوں کی جانب سے موضع میں واقع اردو اسکول کی نئی عمارت کی منظوری کے لیے آج رکنِ اسمبلی آصف آباد کو ایک یادداشت پیش کی گئی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ موضع جمگاؤں کے محلّہ مسلم گوڑہ میں واقع اردو اسکول جس کی ایک قدیم عمارت جو کئی سال قبل تعمیر کی گئی تھی اب نہایت خستہ حال ہے۔ عمارت کا کچھ حصہ منہدم بھی ہوگیا ہے۔ خستہ حال عمارت کو لے کر طلبہ کے سرپرستوں میں تشویش پائی جارہی ہے۔ چھت سے پانی ٹپک رہا ہے اور طلبہ کو پینے کے لیے شفاف پانی بھی دستیاب نہیں ہے۔ موضع جمگاؤں کے سابق کوآپشن ممبر سیّد سجاد اور اسکول کے چیئرمین سیّد محبوب نے رکنِ اسمبلی سے پُرزور مطالبہ کیا کہ وہ اردو اسکول کی نئی عمارت کی منظوری اور طلبہ کے لیے پینے کے صاف پانی کے مسئلے کے حل کے لیے ٹھوس اقدام کریں۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

بین الاقوامی ریسرچ اسکالر غالب سمینار نو واردین کے لیے تربیت گاہ ہے: پروفیسر احمد محفوظ

غالب انسٹی ٹیوٹ اور قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے زیرِ اہتمام سہ روزہ بین الاقوامی ریسرچ اسکالر غالب سمینار کا افتتاح

نئی دہلی (20 ستمبر، پریس ریلیز)۔ بین الاقوامی ریسرچ اسکالر غالب سمینار نو واردین کے لیے تربیت گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سمینار کے لیے کوئی ایک موضوع مخصوص نہیں ہوتا۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر احمد محفوظ نے 19 ستمبر کو غالب انسٹی ٹیوٹ اور قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے زیرِ اہتمام منعقدہ سہ روزہ سمینار میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ تحقیق کا میدان بہت وسیع ہے اور اگر معاملہ زبان وادب سے متعلق تحقیق کا ہو تو اس کی وسعت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ادب کی قلمرو میں بہت سے علوم وفنون کی شمولیت اور کارفرمائی جزوِ لاینفک کی حیثیت رکھتی ہے۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ تحقیق میں ایک سے زیادہ زبانوں سے واقفیت بہت سے مثبت نتائج پیش کرسکتی ہے کیوں کہ تحقیق میں صرف مواد نہیں طریقِ کار بھی بہت اہمیت رکھتا ہے اور جب ہم دوسری زبانوں سے واقف ہوں گے تو ان کے بہتر طریقِ کار کو بھی اپنائیں گے۔ سابق وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (حیدر آباد) جناب خواجہ محمد شاہد نے سمینار کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ میں نے علی گڑھ میں دورانِ تعلیم مالک رام صاحب کا مقالہ تحقیق سے متعلق پڑھا تھا اب وہ پوری طرح تو یاد نہیں لیکن اس میں تحقیق کی تعریف یہ کی گئی تھی کہ اس کے ذریعے کھرے اور کھوٹے میں فرق کیا جاتا ہے۔ اس سے جب میں آج کی تحقیق کا موازنہ کرتا ہوں تو بہتر صورت نظر نہیں آتی۔ میرے پاس اردو کے کئی رسائل آتے ہیں لیکن جب مجھے ان میں معیار کی کمی دکھائی دی تو میں نے ایڈیٹر کو خط بھی لکھا کہ اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ یہ ساری ذمہ داری ریسرچ اسکالر کی نہیں بلکہ تعلیمی نظام کی بھی ہے جس نے ہمارے مزاج میں تن آسانی پیدا کردی ہے۔ یہ اجلاس پروفیسر عبدالحق کی صدارت میں ہوا۔ صدارتی تقریر میں انھوں نے کہا ہمیں غالب ریسرچ چیئر قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ سے اردو میں تحقیقی رجحان پیدا ہوگا۔ جو افراد اداروں کے ذمہ دار ہیں ان کو کوشش کرنی چاہیے کہ جن لوگوں میں تحقیقی رجحان موجود ہے ان سے کام لیا جائے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ادریس احمد نے کہا ریسرچ اسکالر سمینار ہماری پہچان ہے اور ہم اسے برقرار رکھنے کی پوری کوشش کریں گے لیکن اسکالروں کو بھی چاہیے کہ وہ اسے اپنا سمینار سمجھتے ہوئے ہر ممکن تعاون دیں۔ ہماری کوشش رہتی ہے کہ ملک کے ہر صوبے سے اردو اسکالرس کو جمع کریں تاکہ ان کے درمیان علمی رابطہ پیدا ہو۔ اس دن دو تکنیکی اجلاس ہوئے۔

پہلا اجلاس دوپہر ڈھائی بجے ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت پروفیسر فاروق بخشی نے کی۔ اپنی تقریر میں انھوں نے کہا کہ یہ خیال سو فیصد صحیح نہیں ہے کہ شخصیات پر پی ایچ ڈی نہیں ہونی چاہیے، اگر شخصیت ناصر کاظمی، انتظار حسین، شہریار جیسی ہو تو یقیناً ریسرچ ہونی چاہیے لیکن بعض ایسی شخصیات پر بھی پی ایچ ڈی ہوگئیں جو اس کی مستحق نہیں تھیں۔ اس صورت سے بچنے کی ضرورت ہے۔ اس اجلاس کی نظامت جناب سید انوار صفی نے کی اور محترمہ نکہت زہرا نے 'فروغ فرخزاد کے کلام میں سماجی مسائل کی صدائے بازگشت'، ثوبیہ صدیقی نے 'ولایت جعفری بحیثیت افسانہ نگار'، عبداللہ نے 'اتر پردیش کے اُردو اداروں کی علمی و ادبی خدمات'، محترمہ درخشاں نے 'شوکت حیات کا افسانہ 'وبا' تجزیاتی مطالعہ' پیش کیا۔ دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر چندر شیکھر نے کی۔ اپنی تقریر میں انھوں نے کہا کہ کسی موضوع پر لکھنے سے پہلے ہمیں یہ دیکھ لینا چاہیے کہ اس موضوع پر پہلے کیا کیا لکھا جاچکا ہے ورنہ ہم یہی سمجھتے رہیں گے کہ ہم نے جو باتیں لکھی ہیں وہ پہلی بار کہی گئی ہیں۔ اس اجلاس میں مہر النسا نے 'بستی اور پنجر: ہجرت، نوسٹلجیا اور تاریخی شعور کا تجزیہ'، نادیہ خان نے 'مشرقی یوپی کا گم شدہ ستارہ ہندی گورکھپوری'، ذبیح اللہ آزاد نے 'مولانا ابوالکلام آزاد کی ادبی خدمات و ترجمان القرآن کا مختصر جائزہ' اور محمد اسلم آزاد نے 'حسین الحق: ایک عہد ساز افسانہ نگار' پیش کیے۔

◆◆

ہائر سیکنڈری اسکول حاجی پور میں اردو اساتذہ کو مامور کیا جائے

حاجی پور (20 ستمبر)۔ شہر کے قلب میں واقع ٹاؤن ہائی اسکول جو شہر کا بہت ہی پُرانا اسکول ہے، اس اسکول میں سبھی مضامین کے استاد مامور رہے ہیں، مگر گذشتہ سال اردو استاد کی سبکدوشی کے بعد کوئی بھی اردو استاد مامور نہیں کیا گیا جب کہ سیکڑوں سے زیادہ تعداد میں اردو طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ واضح ہو کہ چند سال قبل اس اسکول کو ہائر سیکنڈری کا بھی درجہ یعنی درجہ 11 اور 12 کی منظوری حاصل ہو چکی ہے۔ اسکول کے قرب و جوار میں کافی تعداد میں اردو طبقہ آباد ہے۔ ہمیشہ طلبہ کے سرپرست اردو اساتذہ کی مانگ مذکورہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر سے کرتے آرہے ہیں۔ اسکول کے سابق طالبِ علم اسامہ فاروقی نے تحریری طور پر ڈی ایم ویشالی اور ڈی ای او ویشالی سے اردو ٹیچر کی تقرری کی مانگ گذشتہ کئی ماہ قبل کی تھی۔ مذکورہ بالا باتوں کی جانکاری اردو ایکشن کمیٹی ویشالی کے صدر جناب محمد عظیم الدین انصاری نے دیتے ہوئے اپنے پریس بیان میں کہا ہے کہ ریاست بہار کے معزز وزیرِ اعلا جناب نتیش کمار واضح طور پر ہر اسکول میں اردو اساتذہ کی تقرری کا اعلان کرتے آرہے ہیں۔ شعبۂ تعلیم کے افسران کی بے توجہی کی وجہ سے اساتذہ کی بحالی اب تک نہیں ہو پائی ہے۔ اظہارِ افسوس کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ درجہ 8 سے 12 تک کے طالبِ علم مادری زبان اردو کی تعلیم سے محروم ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے امتحان میں خاطر خواہ نمبر حاصل نہیں ہو پا رہے ہیں۔ ان مذکورہ باتوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے جناب انصاری نے محکمۂ تعلیم کے ذمے داروں سے ہائی اسکول اور +2 درجہ کے استاد کی تقرری کا پُر خلوص مطالبہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اردو ریاست بہار کی دوسری سرکاری زبان ہے اور اقلیتی مسلم طبقے کی مادری زبان ہے، نیز نصابِ تعلیم میں مادری زبان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

(قومی تنظیم۔ پٹنہ)

تلنگانہ کی نئی تعلیمی پالیسی میں اردو کے ماہرینِ تعلیم کو شامل نہ کرنا ناانصافی کے مترادف

سنگاریڈی (10 ستمبر)۔ اسٹیٹ اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن تلنگانہ (سوٹا) کے صدر ایم. اے. نعیم اور جنرل سکریٹری ریاض احمد خاں نے اپنے ایک مشترکہ صحافتی بیان میں کہا کہ حکومتِ تلنگانہ نے اپنی نئی تعلیمی پالیسی Policy Education Telangan کے خدوخال کی تدوین کے لیے جو ماہرین کی کمیٹی تشکیل دی ہے اُس میں ایک بھی مسلم ماہرِ تعلیم یا دانشور کو شامل نہیں کیا گیا ہے جب کہ کانگریس حکومت سے مسلمانوں کی بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔ ہم ریاستی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ فی الفور تلنگانہ کی نئی تعلیمی پالیسی کمیٹی میں ایک اردو ماہرِ تعلیم کو شامل کرے اور اردو زبان سے انصاف کرے۔ اردو والوں کی تعلیمی ترقی ان کی مادری زبان میں پوشیدہ ہے۔ تلنگانہ کی نئی تعلیمی پالیسی کمیٹی میں مسلم ماہرِ تعلیم اور دانشور نہ ہوں تو یہ مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ اردو میڈیم اسکولوں و کالجوں پر حکومت کی توجہ از حد ضروری ہے۔ سمگرا شکشا میں بھی اردو والوں کو یکسر نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ SCERT میں بھی زبانِ اردو کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اور خاص طور پر 11 نومبر کو قومی یومِ تعلیم منانے کا بھی کلینڈر میں ذکر نہیں کیا گیا ہے لہٰذا حکومت سے اسٹیٹ اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن (سوٹا) مطالبہ کرتی ہے کہ وہ مذکورہ مسائل کی فوری یکسوئی کرتے ہوئے اقلیتوں اور اردو زبان کے ساتھ انصاف کرے۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

◆◆

وہی اساتذہ ملک کی ترقی میں حقیقی کردار ادا کر سکتے ہیں جو محنت و محبت سے پڑھاتے ہیں: پروفیسر اختر الواسع

قومی اردو کونسل میں ’ملک کی تعمیر و ترقی میں اساتذہ کا کردار‘ کے عنوان سے خصوصی لکچر

نئی دہلی (4 ستمبر، پریس ریلیز)۔ یومِ اساتذہ کی مناسبت سے قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے صدر دفتر میں ’ملک کی تعمیر و ترقی میں اساتذہ کا کردار‘ کے موضوع پر خصوصی لیکچر کا اہتمام کیا گیا۔ اس پروگرام کی صدارت پروفیسر اختر الواسع (پروفیسر ایمریٹس، جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے کی، جب کہ خصوصی لیکچر پروفیسر جسیم احمد (اعزازی ڈائرکٹر، اے پی ڈی یو ایم ٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے دیا۔

افتتاحی کلمات پیش کرتے ہوئے قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے کہا کہ تعلیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے سماج میں مثبت تبدیلی لائی جا سکتی ہے اور ملک کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے یومِ اساتذہ کے پس منظر اور سابق صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر رادھا کرشنن کی زندگی کے ایک اہم واقعے پر روشنی ڈالتے ہوئے اساتذہ کی تعظیم و تکریم پر زور دیا اور کہا کہ اساتذہ کی اصل قدر یہ ہے کہ ان کی تعلیمات اور پیغام کو عملی زندگی میں اتارا جائے۔ یہی اساتذہ کے تئیں حقیقی خراجِ تحسین ہے۔

صدارتی خطاب میں پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ مدرسی ایک ذمے داریوں بھرا پیشہ ہے، کیوں کہ طلبہ کی صورت میں پوری قوم کا مستقبل ان کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ وہی اساتذہ ملک کی ترقی میں حقیقی کردار ادا کر سکتے ہیں جو محنت و محبت سے پڑھاتے ہیں اور بھرپور تیاری کے ساتھ تدریسی سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔ انھوں نے طلبہ کی خیر خواہی اور شفقت پر زور دیتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر حسین کا قول نقل کیا کہ ’اچھے استاد کی پیشانی پر علم نہیں، محبت کا عنوان ہوتا ہے۔‘ ساتھ ہی انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اساتذہ کے ساتھ ساتھ سماج کے دیگر دانش وروں کو بھی ملک کی ترقی میں حصہ لینا ہوگا، تبھی ہندستان ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہو سکتا ہے۔

پروفیسر جسیم احمد نے اپنے لکچر میں کہا کہ اساتذہ ملک کی تعمیر و ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے مطابق تعلیم ترقی کی سیڑھی ہے اور جو قوم تعلیم سے غافل ہو جاتی ہے وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ انھوں نے زور دیا کہ اساتذہ بچوں کو تہذیب و تمدن سے آراستہ کریں اور ان کی شخصیت کو تخریبی عناصر سے پاک کریں، تاکہ وہ اپنی توجہ تعلیم اور بہتر مستقبل پر مرکوز رکھ سکیں۔ پروفیسر جسیم احمد نے نئی تعلیمی پالیسی (NEP 2020) کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ موجودہ وقت میں اساتذہ کے لیے لازمی ہے کہ وہ ملٹی ڈسپلنری مہارت رکھتے ہوں تاکہ طلبہ کی بہتر رہنمائی کر سکیں۔

ڈاکٹر کلیم اللہ (آر او، این سی پی یو ایل) کے اظہارِ تشکر کے ساتھ یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ اس موقعے پر پروفیسر قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی، پروفیسر شہناز انجم، پروفیسر فاروق بخشی، جناب خورشید عالم، پروفیسر مشتاق عالم قادری، پروفیسر ضیاء الرحمٰن صدیقی، جناب سراج عظیم اور کونسل کا تمام عملہ موجود رہا۔

اقبال سہیل کی نعت گوئی (بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

ربط و تصادم، طوع و تحکم، فقر و تنعّم، عدل و ترحّم
سب کے حدود بتائے باہم صلی اللہ علیہ وسلم
دلق میں جس نے سلطانی کی جنگ میں جس نے جہاں بانی کی
زہد و سیاست کر دیے تو ام صلی اللہ علیہ وسلم
وہ مصداقِ ’دَنیٰ فتدلیٰ‘ جس کی منزل عرشِ معلیٰ
نکتۂ ’ما اوحیٰ‘ کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم
جتنے فضائل جتنے محاسن ممکن میں ہو سکتے تھے ممکن
حق نے کیے سب اس میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم
علمِ لدنّی، شانِ کریمی، خلقِ خلیلی، نطقِ کریمی
زہدِ مسیحا، عفتِ مریم صلی اللہ علیہ وسلم
بندہ اور خدا سے واصل، خاکی اور انوار کا حامل
اُمی اور اسرار کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم
صدرِ امم سلطانِ مدینہ وہ جس کے کفِ پا کا پسینہ
گل کدۂ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

(کلیاتِ سہیل، ص 41)

ولادتِ نبویؐ

قصیدہ ’ظہورِ قدسی‘ میں ولادتِ نبویؐ یعنی طلوعِ آفتاب کی شعاعوں کا نظارہ کریں۔ وہ فرماتے ہیں:

بہارستانِ ہستی کے لیے دورِ شباب آیا
رگِ فطرت میں ریعانِ نمو کا اضطراب آیا
نظامِ آفرینش کو پیامِ انقلاب آیا
فضائے کن فکاں میں پرچمِ ختمی مآبؐ آیا
شہنشاہِ دو عالم، مہبطِ امّ الکتاب آیا
وہ موجِ بے قرار اٹھی ہے عمانِ تجلی سے
زمانہ جگمگا اٹھا ہے فیضانِ تجلی سے
شبستانِ جہاں روشن ہوئی شانِ تجلی سے
ہوئی ظلمت گریزاں جوشِ طوفانِ تجلی سے
رسالت کے افق پر نورِ حق کا آفتاب آیا
شعاعِ سرمدی جس کی جبینِ پاک پر رقصاں
جمالِ ایزدی جس کے فروغِ حسن سے رقصاں
فضائے قدس کا ہر جلوہ جس کے نور پر قرباں
بسیطِ خاک کا ہر ذرہ جس کے تابعِ فرماں
وہ سلطان الامم آیا وہ مختار الرقاب آیا
وہ آئینہ دکھایا جس نے عکسِ روئے جاناں کو
نمایاں کر دیا جس نے فروغِ حسنِ پنہاں کو
عطا کی دولت نظارہ جس نے دیدۂ جاں کو
چراغاں کر دیا جس نے تجلی گاہِ امکاں کو
وہ جلوہ اب جمالِ احمدی میں بے نقاب آیا
معارف کا خیاباں تازہ جس کی رشحہ باری سے
مکارم کا چمن شاداب جس کی آبیاری سے
شناسا جس نے عالم کو کیا توحیدِ باری سے
دلوں کی کھیتیاں سرسبز جس کے فیضِ جاری سے
وہ دریائے کرم آیا وہ رحمت کا سحاب آیا

(کلیاتِ سہیل، ص: 51)

ان چند مثالوں سے سہیل مرحوم کی نعت گوئی میں عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
رفیقِ اعزازی دار المصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ
E-mail: azmi408@gmail.com, Mob. 9838573645

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **ظ ایک شخص تھا**
مصنف : ندیم صدیقی
ضخامت : 208 صفحات
قیمت : 400 روپے
ناشر : اُردو قبیلہ، بلڈنگ نمبر 24، فلیٹ نمبر: 101، شیلیش نگر، ریلوے اسٹیشن مُمبرا-400612، ضلع تھانے، مہاراشٹر
تبصرہ نگار : **محمد ایوب (کامٹی۔ضلع ناگپور)**

> ’’مَیں نے اچھی بُری سب طرح کی نثر لکھی ہے اور اہلِ نظر سے صاحبِ طرز ہونے کی داد بھی پائی، لیکن ابھی تلاش کے مرحلے میں ہوں۔ چسٹرٹن کا ایک پیراگراف میرے ہوش اُڑا دیتا ہے کہ یہ رنگ، یہ رَس، یہ معنویت، یہ اِجمال و اختصار، کیسے اپنی زبان کو، کیسے مَیں یہ نعمت بخش دوں، کبھی مَیں ایک تبصرہ لکھتا ہوں، تو دوسرے کچھ اور مفہوم نکالتے ہیں، اس کے معنی ہوئے کہ اس تحریر میں کوئی خرابی تھی کہ اس سے وہ معنی نہیں نکل سکے جو میرا مطلوب و منشا تھا۔‘‘ (1982)

یہ باتیں وہ شخص لکھ رہا ہے جس کے بارے میں اُردو کے ممتاز ادیب و محقق ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ’’ڈاکٹر ظ انصاری کی اوّلیات شمار کی جائیں تو اُن کی بھی ایک طویل فہرست مرتب کی جاسکتی ہے، وہ (اُردو کے) پہلے ادیب ہیں، جنھوں نے برنارڈ شا، چے خف، پوشکن اور دوستوفسکی پر اُردو میں معیاری کتابیں لکھیں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ایک درجن کے قریب روسی شاہکاروں کو براہ راست روسی زبان سے اُردو میں ترجمہ کیا، وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے روسی کلاسیکل شاعری کے منظوم ترجمے کیے، وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ماقبل اور مابعد انقلاب، روسی شاعری کے اُردو ترجمے کیے، ڈاکٹر ظ انصاری نے تنِ تنہا جتنا کام کیا اُتنا کام اتنے عرصے (65 برس کی عمر) میں ادارے بھی نہیں کر پاتے، دن رات کام، کام اور کام۔۔۔یہی اُن کی زندگی تھی۔‘‘

ہمارے ہاتھوں میں ڈاکٹر ظ انصاری سے متعلق کتاب ’ظ: ایک شخص تھا‘ ہے جو صاحبِ موضوع کی شخصیت اور اس کے ادبی کردار پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہ دو ابواب پر مشتمل ہے جس کے پہلے باب میں ظ انصاری کی ابتدائی زندگی سے آخر ایّام تک کی تفصیل، اِجمال میں بیان کی گئی ہے، جس میں اُن کا الحاد اور پھر کمیونزم سے تائب ہونا، سب کچھ ریکارڈ ہو گیا ہے۔

دوسرے باب میں ظ انصاری کی تحریروں کا ایک جامع انتخاب ہے، ہر چند کہ اس انتخاب کی اکثر تحریریں اخبار ہی سے ماخوذ ہیں مگر ان تحریروں میں ایسا صحافتی رنگ یا ذائقہ نہیں ہے جو دوسرے دن پھیکا یا باسی ہو جائے، یاد آتا ہے کہ مشہور شاعر و ادیب جمیل الدین عالی نے ادا جعفری کی سوانحی کتاب کے سلسلے میں منعقدہ جلسے میں کہا تھا:

(**مفہوم**) کسی بھی موضوع پر لکھا جائے، ہمیں دیکھنا یہ چاہیے کہ اس میں ادب بھی ہے یا نہیں۔

اور سچ ہے کہ ادب کا آدمی جو کچھ لکھے گا اُس میں ادبی رنگینی ضرور جھلکے گی مگر ہمارا خیال تو یہ ہے کہ جو کچھ لکھا جائے چاہے وہ شعر کی صورت ہو یا نثر میں، ہمیں دیکھنا یہ چاہیے کہ اس میں زندگی بھی ہے یا نہیں، ورنہ بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ بہت ہی خاص ادبی موضوع پر قلم اٹھایا گیا جس میں ظاہر ہے ادب بھی ہے مگر اُس ادب میں ’زندگی‘ کی رمق عنقا ہے۔ ڈاکٹر ظ انصاری سے متعلق پیشِ نظر کتاب میں یہی زندگی جا بجا ہمیں ملتی ہے ورنہ سوچیے کہ کم و بیش چالیس برس اُدھر جو کچھ لکھا گیا وہ آج بھی ہمیں اپنی تاثر و تاثیر کے سبب پڑھنے پر نہ صرف مجبور کر رہا ہے بلکہ بہت کچھ سوچنے کی راہ بھی دکھا رہا ہے۔ آپ بھی اس کا اثر دیکھیے:

> ’’...عربی کا یہ لفظ (اثر) اپنی جگہ صحیح ہے لیکن اثر کرنے یا اثر ڈالنے والے کے لیے ’موثِّر‘ بولنا چاہیے، اس لفظ کا مادّہ سہ حرفی ’اثر‘ ہے اور اسی کی جمع آثار، اثرات ہے۔ اَثر، تاثیر (’تخم تاثیر، صحبت کا اثر‘) موثِر، مُؤثَّر (ث پر زبر) مُتَاثِر (ث پر زیر)، تاثُر (جمع تاثّرات) اس مادّہ ’اَثر‘ کے بھی کئی معانی ہیں۔ ایک تو وہ جسے آپ Effect کہتے ہیں، مثلاً:
>
> اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
> رنج راحت فزا نہیں ہوتا
>
> (مومن خاں مومن)
>
> اثر کے ساتھ ’کو‘ اور ’پر‘ دونوں استعمال ہوتے ہیں لیکن اَثر کے معنی ہمارے ادب میں وہ بھی ہیں جسے Reaction کا ترجمہ کر کے ’ردِعمل‘ لکھا جاتا ہے ’ردِعمل‘ بُرا لفظ ہے Re کو ردّ لکھ کر زبان کا مزا بگاڑا تھا یار لوگوں نے، آج سے کوئی پچاس برس پہلے 1930 تک کی اُردو میں یہ لفظ نہیں ملے گا۔ اس کے بعد زیادہ تر وہ نسل (اُردو) اخباروں میں آئی جو انگریزی ہی میں سوچتی تھی، اُردو خزانے کی چابی اس کے پاس نہیں تھی، اس نے خزانے کے باہر کھڑے کھڑے اپنی چابی بنالی اور نہ صرف ’ردِعمل‘ جیسے لفظ گھڑے (اب چل گئے ہیں تو ہم بھی چپ ہیں۔) بلکہ اچھے خاصے لفظوں کے آدھے چوتھائی معانی کو پورے لفظ کے اوپر چڑھا دِیا۔ اس کی مثال ہے لفظ ’روایت‘...‘‘

ہماری زبان کے (اکثر) قلم کار، صحافت کو ترچھی نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہیں، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس زبان کی صحافت کو ہمارے شاعر و ادیب ہی نے ایک معیار، وقار اور اعتبار دِیا، جس میں ماضی بعید میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان، مولانا ماجد دریا بادی اور دیوان سنگھ مفتوں اور ماضی قریب میں جوش ملیح آبادی، حیات اللہ انصاری، فکر تونسوی اور عثمان فارقلیط جیسے اہلِ قلم کی ایک کہکشاں تھی جو اُردو صحافت کو اپنے اپنے رنگ سے پُر رَونق کر گئے۔ ہمارے دَور میں ڈاکٹر ظ انصاری اسی قبیل کا ایک بہت ہی روشن نام ہے۔ یہ کتاب اُنھیں کا ایک مونوگراف ہے۔

فی زمانہ کتابیں پہلے کے مقابلے میں زیادہ اور شکل و صورت کے اعتبار سے بہت پُرکشش چھپ رہی ہیں مگر ان کا متنی معیار ویسا نہیں ہے جیسا دورِ گزشتہ میں جب ہاتھ سے لکھی جانے والی کتابیں پتھر (لیتھو گرافی) کے ذریعے اشاعت پذیر ہوتی تھیں اب کمپیوٹر نے بہت آسانی پیدا کر دی ہیں جو کتاب مہینوں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں وہ اب چند دنوں میں کمپوز ہو رہی ہیں اور جدید پریس میں آن کی آن چھپ کر اور نئی مشینوں سے بائنڈنگ ہو کر بازار میں دَھڑا دَھڑ چلی آ رہی ہیں، ہر چند کہ نہ پہلے جیسے قارئین رہ گئے ہیں اور نہ ویسے لکھنے والے، مگر کتابیں ہیں کہ چھپ رہی ہیں، ایسے ماحول میں کسی ایسی کتاب کا منظرِ عام پر آنا جو اپنی صوری حسن ہی میں جاذب نہیں بلکہ اپنے موضوع اور متن میں بھی ایک بھرپور کشش کی حامل ہو، یہ امر اپنے آپ میں اُردو زبان کے لیے بھی فالِ نیک سے کم نہیں۔

ندیم صدیقی کوئی بہت معروف نام نہیں مگر اس کتاب میں ظ انصاری کے تعلق سے کوئی ساٹھ صفحات پر پھیلا ہوا اُن کا مضمون ایسا ہے کہ ایک ہی نشست میں پڑھ لیا گیا، تحریر کی یہ کشش فی زمانہ عام نہیں اور اُس پر لکھنے والے کا ’اعترافیہ انکسار بھی‘۔۔۔طرہ ہے:

> ’’ڈاکٹر ظ انصاری سے متعلق جو کچھ آپ کے سامنے ہے، آپ کے ہاتھوں میں ہے،...ہم اسے، تصنیف یا تالیف کیا کہیں!!! البتہ آپ چاہیں تو اسے نقل کہہ لیجیے، ہمارا مقصود ظ انصاری پر ایک فوکس تھا، ایک پہاڑ جیسی شخصیت کو ذرّے میں سمیٹنا محال ہے۔ ہم نے اُن کے علم کے تنوع اور افکار کی مختلف جہتوں اور اُن کی شخصیت و کردار پر گاہِ گاہ روشنی ڈالنے کی سعی کی ہے، اگر پڑھنے والے کے ہاں ظ انصاری کے تعلق سے کوئی تجسس بیدار ہوتا ہے تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری محنت سوارت ہوئی۔‘‘ ن۔ص

یہ تبصرہ جس عبارت یا جس اقتباس سے شروع ہوا ہے وہی انداز ندیم صدیقی کے ہاں بھی ہم نے محسوس کیا۔ یہ وصف آج خال خال ہی نظر آتا ہے، ورنہ تو صاحبِ قلم اگر شاعر ہے تو (استثنا سے قطع نظر) وہ میرو مرزا سے اپنے آپ کو کم نہیں سمجھتا اور اگر نثر کے شعبے میں ہے تو وہ نیاز فتح پوری، منشی پریم چند، منٹو اور راجندر سنگھ بیدی سے اپنے آپ کو بہت آگے کا قلم کار سمجھنے کی خوش فہمی میں مبتلا ہے۔

وہ شاعر ہو یا ادیب وہ جو کچھ لکھ رہا ہے اور جس زبان میں لکھ رہا ہے اُس زبان کا گہرا اور متنوع علم ہی اہلِ قلم کو ممتاز بناتا ہے ورنہ کان پر قلم رکھے گھومتے رہیے۔ یہ کتاب لسانی علم کے حوالے سے بھی اہمیت کی حامل ہے۔ کتاب کے انتساب ہم نے آپ نے بہت پڑھے ہیں مگر اس کتاب کے انتساب میں بھی ایک انفرادیت ہے جو ایک خاتونِ خانہ کے نام ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کریں:

انتساب

> ’’اُس امّاں کے نام جس کو لفظ کی حرمت کا، اپنی زبان کا اتنا پاس تھا کہ اپنے بیٹے کے ایک غلط لفظ بولنے پر لوہے کا بھاری چِمٹا پھینک مارا جس سے بچّے کے پَیر کے انگوٹھے کا ناخن اُدھڑ گیا تھا۔ آدھی صدی گزر گئی، انگوٹھے پر زخم کا نشان تو باقی رہا مگر امّاں (لئیق فاطمہ) کے لائق بیٹے کی زبان سے وہ لفظ پھر نہ نکلا۔‘‘

ایک غلط لفظ بولنے پر جس بیٹے کی ایسی سرزنش ہوئی تھی وہ اور کوئی نہیں ’ظ انصاری‘ ہی تھے۔ ندیم صدیقی نے آگے لکھا ہے:

یہ واقعہ کوئی پچاس برس کی عمر میں خود ظ انصاری نے اُنھیں سنایا تھا اور اپنے پیر کا وہ انگوٹھا بھی دِکھایا تھا جس کے اُدھڑنے کا نشان اُس عمر میں بھی باقی تھا اور ظ انصاری نے یہ بھی کہا کہ میاں ندیم! اس سرزنش کو تقریباً آدھی صدی کی مدت گزر گئی ہوگی مگر وہ لفظ میری زبان سے دوبارہ نہیں نکلا۔

ظ انصاری اپنی زبان دانی کے سبب بھی ایک امتیازی تشخص کے حامل تھے، اُردو میں ایک لفظ ہے ’تو‘...اس ’تو‘ کے بارے میں ظ مرحوم کا ایک دل چسپ مضمون ہمیں اسی کتاب میں (صفحہ 82 پر) پڑھنے کو ملا، باذوق لوگ ’تو‘ کی تفصیلی صدرنگی سے حظ اُٹھائیں گے۔

جاں نثار اختر جیسے شاعر کی سادگی اس کتاب ہی میں ہم نے پڑھی۔ ایسے لوگوں کو بس ہم یاد کر کے رہ جاتے ہیں جب کہ ہمیں اُن کے علم و کردار سے روشنی لے کر اپنی فکر و خیال کی دنیا کو منور کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔

یہ کتاب ایک سبق ہے کہ جو لوگ اپنی زبان و ادب اور صحافت کے ہیروز سے ذرا بھی دل چسپی رکھتے ہیں انھیں اس سبق کو ضرور پڑھنا چاہیے۔

ہم لکھنے پڑھنے والوں میں اکثر اپنی انا کے گرفتار ملتے ہیں، اس کتاب میں (صفحہ 117 تا 126) دو تحریریں ایسی ہیں کہ تمام انا پرست لوگوں کے لیے ایک تازیانے سے کم نہیں، پہلی تحریر پڑھنے سے انا کو تسکین ملتی ہے تو دوسری تحریر ہماری انا کے بُت کو مسمار کر رہی ہے۔ جو لوگ اپنی نفی نہیں کر سکتے وہ اپنے لات و منات تو بنا سکتے ہیں مگر بزرگی اور حرمت کو تا دیر سلامت نہیں رکھ سکتے۔ مذکورہ دونوں مضامین 1983 میں لکھے گئے تھے مگر اُن میں جو باتیں ہیں وہ چار دہے بعد بھی اپنی تازگی لیے ہوئے ہیں۔

کتاب کے صفحات تو صرف 208 ہیں مگر اس کے متن کی معنی خیزی دوگنی کیا، چارگنی ہے۔ سرورق سادگی میں معنوی رنگارنگی کا حامل اور کاغذ دودھ کی طرح سفید اور طباعت صاف ستھری ہے۔

***

بیاضِ فیض... (بقیہ صفحہ 2 سے آگے)

(10)

تم اپنی کرنی کر گزرو
اب کیوں اُس دن کا ذکر کرو
جب دل ٹکڑے ہو جائے گا
اور سارے غم مِٹ جائیں گے
جو کچھ پایا کھو جائے گا
جو مل نہ سکا وہ پائیں گے
یہ دن تو وہی پہلا دن ہے
جو پہلا دن تھا چاہت کا
ہم جس کی تمنّا کرتے رہے
اور جس سے ہر دم ڈرتے رہے
یہ دن تو کئی بار آیا
سو بار بسے اور اُجڑ گئے
سو بار لُٹے اور بھر پایا
اب کیوں اُس دن کا ذکر کرو
جب دل ٹکڑے ہو جائے گا
اور سارے غم مِٹ جائیں گے
تم خوف و خطر سے در گزرو
جو ہونا ہے سو ہونا ہے
گر ہنسنا ہے تو ہنسنا ہے
گر رونا ہے تو رونا ہے
تم اپنی کرنی کر گزرو
جو ہو گا دیکھا جائے گا

اکتوبر 1975
'شام شہرِ یاراں' ص 62-64

(11)

موری اَرج سُنو، نذرِ امیر خسرو
'موری ارج سُنو دست گیر پیر'
'مائی ری، کہوں کا سے میں
اپنے جیا کی پیر'
'نیا باندھو رے،
باندھو رے کنارِ دریا'
'مورے مندر اب کیوں نہیں آئے'
اس صورت سے
عرض سناتے
درد بتاتے
نیّا کھیتے
مِنّت کرتے
رستہ تکتے
کتنی صدیاں بیت گئی ہیں
اب جا کر یہ بھید کھُلا ہے
جس کو تم نے عرض گزاری
جو تھا ہاتھ پکڑنے والا
جس جالاگی ناؤ تمھاری
جس سے دُکھ کا دارُو مانگا
تورے مندر میں جو نہیں آیا
وہ تو تمھیں تھے
وہ تو تمھیں تھے۔۔۔!!

'شام شہرِ یاراں' ص 67-68؛ 'نسخہ ہائے وفا' ص 545-46

(12)

* کچھ عشق کیا کچھ کام کیا*
وہ لوگ بہت خوش قسمت تھے
جو عشق کو کام سمجھتے تھے
یا کام کو عاشقی سمجھتے تھے
ہم جیتے جی مصروف تھے
کچھ عشق کیا کچھ کام کیا
عشق کام کے آڑے آتا رہا
اور کام سے عشق الجھتا رہا
آخر تنگ آ کر ہم نے
دونوں کو ادھورا چھوڑ دیا

'شام شہرِ یاراں' ص 76؛ 'نسخہ ہائے وفا' ص 554

(13)

گیت

چلو پھر سے مسکرائیں
چلو پھر سے دل جلائیں
جو گزر گئی ہیں راتیں
اُنھیں پھر جگا کے لائیں
جو بسر گئی ہیں باتیں
اُنھیں یاد میں بُلائیں
چلو پھر سے دل لگائیں
چلو پھر سے مسکرائیں
کسی شہ نشیں پہ جھلکی
وہ دھنک کسی قبا کی
کسی رگ میں کسمسائی
وہ کسک کسی ادا کی
کوئی حرفِ بے مروّت
کسی کُنجِ لب سے پھُوٹا
وہ چھنک کے شیشۂ دل
تہِ بام پھر سے ٹوٹا
یہ مِلن کی نامِلن کی
یہ لگن کی اور جلن کی
جو سہی ہیں وارداتیں
جو گُزر گئی ہیں راتیں
جو بِسر گئی ہیں باتیں
کوئی ان کی دھُن بنائیں
کوئی ان کا گیت گائیں
چلو پھر سے مسکرائیں
چلو پھر سے دل جلائیں

1974
'شام شہرِ یاراں' ص 52-54

(14)

اشک آباد کی شام

جب سورج نے جاتے جاتے
اشک آباد کے نیلے افق سے
اپنے سنہری جام
میں ڈھالی
سرخیِ اوّلِ شام
اور یہ جام
تمھارے سامنے رکھ کر
تم سے کیا کلام
کہا پرنام
اٹھو
اور اپنے تن کی سیج سے اٹھ کر
اِک شیریں پیغام
ثبت کرو اس شام
کسی کے نام
کنارِ جام
شاید تم یہ مان گئیں اور تم نے
اپنے لبِ گل فام
کیے انعام
کسی کے نام
کنارِ جام
یا شاید
تم اپنے تن کی سیج پہ سج کر
تھیں یوں محوِ آرام
کہ رستہ تکتے تکتے
بجھ گئی شمعِ جام
اشک آباد کے نیلے افق پر
غارت ہو گئی شام

1976
'شام شہرِ یاراں' ص 42-44؛ 'نسخہ ہائے وفا' ص 520-22

(15)

اے شام مہرباں ہو
اے شامِ شہرِ یاراں
ہم پہ مہرباں ہو
دوزخی دوپہر ستم کی
بے سبب ستم کی
دوپہر درد و غیظ و غم کی
بے زباں درد و غیظ و غم کی
اس دوزخی دوپہر کے تازیانے
آج تن پر دھنک کی صورت
قوس در قوس بٹ گئے ہیں
زخم سب کھُل گئے ہیں
داغ جانا تھا چھٹ گئے ہیں
ترے توشے میں کچھ تو ہو گا
مرہمِ درد کا دوشالہ
تن کے اُس انگ پر اُڑھا دے
درد سب سے سوا جہاں ہو
اے شام مہرباں ہو
اے شامِ شہرِ یاراں
ہم پہ مہرباں ہو
دوزخی دشت نفرتوں کے
بے درد نفرتوں کے
کرچیاں دیدۂ حسد کی
خس و خاشاک رنجشوں کے
اتنی سنسان شاہراہیں
اتنی گنجان قتل گاہیں
جن سے آئے ہیں ہم گزر کر
آبلہ بن کے ہر قدم پر
یوں پاؤں کٹ گئے ہیں
رستے سمٹ گئے ہیں
مخملیں اپنے بادلوں کی
آج پاؤں تلے بچھا دے
شافیِ کربِ رہرواں ہو
اے شام مہرباں ہو
اے مہِ شبِ نگاراں
اے رفیقِ دلفگاراں
اس شام ہمزباں ہو
اے شام مہرباں ہو
اے شام مہرباں ہو
ہم پہ مہرباں ہو

1974
'شام شہرِ یاراں' ص 51-53؛ 'نسخہ ہائے وفا' ص 528-31

(16)

ہم کہ ٹھہرے اجنبی اتنی مداراتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی ملاقاتوں کے بعد
کب نظر میں آئے گی بے داغ سبزے کی بہار
خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد
تھے بہت بے درد لمحے ختمِ دردِ عشق کے
تھیں بہت بے مہر صبحیں مہرباں راتوں کے بعد
دل تو چاہا پر شکستِ دل نے مہلت ہی نہ دی
کچھ گلے شکوے بھی کر لیتے مناجاتوں کے بعد
ان سے جو کہنے گئے تھے فیضؔ جاں صدقہ کیے
ان کہی ہی رہ گئی وہ بات سب باتوں کے بعد

'شامِ شہرِ یاراں' ص 60؛ 'نسخہ ہائے وفا' ص 538

(17)

یہ کس خلش نے پھر اس دل میں آشیانہ کِیا
پھر آج کِس نے سخن ہم سے غائبانہ کِیا
غمِ جہاں ہو، رخِ یار ہو کہ دستِ عدو
سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کِیا
تھے خاکِ راہ بھی ہم لوگ قہرِ طوفاں بھی
سہا تو کیا نہ سہا اور کِیا تو کیا نہ کِیا
خوشا کہ آج ہر اک مدّعی کے لب پر ہے
وہ راز جس نے ہمیں راندۂ زمانہ کِیا
وہ حیلہ گر جو وفا جُو بھی ہے جفا خُو بھی
کِیا بھی فیضؔ تو کِس بت سے دوستانہ کِیا

'شامِ شہرِ یاراں' ص 75؛ 'نُسخہ ہائے وفا' ص 553

ڈاکٹر معین الدین عقیل
B-215، بلاک 15، گلشنِ جوہر، کراچی-75290 (پاکستان)
E-mail: moinuddin.aqeel@gmail.com

اقبال سہیلؔ کی نعت گوئی

محمد الیاس الاعظمی

مولانا اقبال احمد خاں سہیلؔ (1884-1955) کا شمار اردو و فارسی کے نامور اور نہایت ممتاز شعرا میں ہوتا ہے۔ دبستانِ شبلی کے تو وہ بلاشرکتِ غیرے سب سے بڑے اور نہایت ممتاز و معتبر شاعر ہیں۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی سابق ناظم دارالمصنّفین نے اپنے مضمون کی تمہید میں ان کے بارے میں جو کچھ لکھا، وہ ان کا چشم دیدہ ہے اور نہایت متاثر کن تحریر ہے، اس لیے طوالت کے باوجود اسے یہاں نقل کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

’’قدرت نے مولوی اقبال احمد خاں سہیل مرحوم کو ایسی غیرِ معمولی صلاحیتیں عطا کی تھیں جو ہزاروں لاکھوں انسانوں میں کہیں دو چار خوش قسمتوں کے حصے میں آتی ہیں، وہ صحیح معنوں میں عبقری اور جینیس تھے، ان میں ذہانت و ذکاوت علمی قابلیت اور قوتِ حافظہ وہ تمام استعدادیں بدرجۂ کمال موجود تھیں جو کسی انسان کو بڑا بنانے کے لیے کافی ہیں، اگر وہ ان سے صحیح معنوں میں کام لیتے تو ہندوستان کے نامور فضلا میں ان کا شمار ہوتا، لیکن یہ علم و ادب کی بدنصیبی ہے کہ یہ صلاحیتیں غلط مصرف میں صرف ہوئیں اور جو لعل شبِ چراغ پوری علمی دنیا کو منور کر سکتا تھا وہ شاعری کی شمعِ محفل بن کر رہ گیا اور شاعری کو بھی انھوں نے مستقل مشغلہ نہیں بنایا بلکہ اس کی حیثیت محض وقتی دل چسپی کی تھی، اس کے باوجود انھوں نے اس کی جو یادگاریں چھوڑی ہیں وہ اردو زبان میں زر و جواہر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سہیل مرحوم کی فطرت شاعرانہ تھی، ان کی نثر بلکہ روزانہ کی گفتگو بھی شاعرانہ نکتہ سنجیوں سے خالی نہ ہوتی تھی، ان کی ذہانت اور علمی قابلیت نے اس شراب کو اور دوآتشہ کر دیا تھا، ان کو اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر عبور حاصل تھا، اور وہ ان کے اداشناس تھے، فن کے نکتوں پر بھی ان کی نگاہ بڑی گہری تھی، اس لیے جملہ اصنافِ سخن پر ان کی حکمرانی یکساں تھی، مگر قصیدہ نگاری سے خاص مناسبت تھی، اور اس میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔‘‘ (ادبی نقوش، ص 84-283)

علامہ شبلی کی شعر و ادب کی دولت ان کے حصے میں زیادہ آئی تھی اور ان کی شعری روایتوں کو انھوں نے نئی بلندیوں اور نئے آسمانوں سے ہم کنار کیا۔ نعتیہ ادب میں ان کا مقام و مرتبہ شاید جدید شعرا میں سب سے جدا اور سب سے ممتاز و منفرد ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نعتیہ ادب کی تاریخ میں وہ گلِ سرسبد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صاحبِ ’پیامِ کیف‘ مرزا احسان احمد نے لکھا ہے:

’’ممکن ہے کہ قومی و سیاسی شاعری کے میدان میں سہیل کا کوئی حریف نکل آئے لیکن نعت کی بزمِ تجلی میں افراط و تفریط سے محفوظ رہ کر جس احتیاط اور جذبۂ احترام کے ساتھ انھوں نے اپنے اخلاص و عقیدت کی نذر پیش کی ہے، اس کی مثال سے اردو شاعری اب تک خالی ہے۔ اس کی تصدیق کچھ ان کے کلام سے ہو سکتی ہے۔‘‘ (مقالاتِ احسان، ص 104)

ان کے کلیات میں متعدد نعت، نعتیہ قصائد اور نعتیہ غزلیں شامل ہیں۔ ایک قصیدے کے چند اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

محمدؐ وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی
محمدؐ وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبستانی
محمدؐ یعنی وہ حرفِ نخستیں کلکِ فطرت کا
محمدؐ یعنی وہ امضائے توقیعاتِ ربانی
وہ فاتح جس کا پرچم اطلسِ زنگاریِ گردوں
وہ اُمی جس کے آگے عقلِ کل طفلِ دبستانی
وہ رابطِ عقل و مذہب کو کیا شیر و شکر جس نے
وہ فارق زہد سے جس نے مٹایا داغِ رہبانی
وہ ناطق جس کے آگے مہر برلب بلبلِ سدرہ
وہ صادق جس کی حق گوئی کا شاہد نطقِ ربانی
وہ عادل جس کی میزانِ عدالت میں برابر ہے
غبارِ مسکنت ہو یا وقارِ تاجِ سلطانی
وہ جامع جس نے یکجا کر دیے بکھرے ہوئے دانے
مٹا دی جس نے آ کر باہمی تفریقِ انسانی
وہ گنجورؐ معارف جس کے اک اک حرف میں پنہاں
نکاتِ فلسفی، اسرارِ نفسی، رازِ عمرانی
وہ کشّافِ سرائر جس نے کھولا چند اشعاروں میں
علومِ اولین و آخرین کا گنجِ پنہانی

(کلیاتِ سہیل، ص 32-31)

واقعۂ معراج دیکھیے:

وہ جسمِ پاک خود سر تا قدم پیکر تھا نورانی
تو پھر معراج میں کیا بحث روحانی و جسمانی

چند اور قابلِ ذکر اشعار ملاحظہ ہوں:

براق برق پیکر لے چلا یوں ذاتِؐ انور کو
فضا میں تیر جائے جس طرح بجلی کی تابانی
حضور اس طرح گذرے گنبدِ مینائے گردوں سے
نظر جس طرح شیشے سے گذر جائے بآسانی

(کلیاتِ سہیل، ص 33)

بارگاہِ قدسی میں شاعر کی زمزمہ سنجی ملاحظہ ہو:

براق و جبرئیل آخر رکے سدرہ کی منزل پر
کہ تھی یہ انتہائے سرحدِ اقلیمِ امکانی
یہاں سے لے چلیں پھر آپ کو موجیں تجلی کی
وہ رفرف ہو کہ انوارِ ازل کا جوشِ فیضانی
سوادِ لامکاں تک رک گیا رفرف کہ اس کو بھی
کہاں اس خلوتِ وحدت میں اذنِ گرم جولانی
کسی نے لے لیا خود بڑھ کے آغوشِ محبت میں
ہوا ملک قدم خلوت سرائے حسنِ امکانی

(کلیاتِ سہیل، ص 34)

نعتیہ ادب میں ان کا قصیدہ ’موجِ کوثر‘ ہماری ادبی تاریخ میں شاہکار کا درجہ رکھتا ہے جس کے بارے میں محققین اور نقادوں کا یہ عام خیال ہے کہ شوکتِ الفاظ اور جمالِ معنوی کی خوبی ہر ہر شعر سے وہ عبارت ہے۔ مرزا احسان احمد کے الفاظ میں:

’’اتنی مشکل ردیف اور بحر میں ایک طویل نظم لکھنا اور کہیں سے الفاظ کی نشست، فقروں کے در و بست اور بندش کی جستی میں فرق نہ آنا، کیا شاعرانہ کمال کی دلیل نہیں؟‘‘

(مقالاتِ احسان، ص 107)

بطورِ نمونہ چند اور اشعار ملاحظہ ہوں:

احمد مرسل فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ اول مرسلِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم
جسمِ مزکّی، روحِ مصور، قلبِ مجلّٰی، نورِ مقطر
حسن سراپا خیر مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
طینت جس کی سب سے مطہر بعثت جس کی سب سے موخر
خلقت جس کی سب سے مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
فرد و جماعت امر و اطاعت کسب و قناعت عفو و شجاعت
حل کیے جو اسرار تھے مبہم صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ صفحہ 5 پر)

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

مدیر : **اطہر فاروقی**
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***